حصہ غزل

فہرست

نمبر شمار — مضامین

1 اکائی اول 5

ا۔ غزل کی صنفی شناخت 7

۲۔ غزل کی مقبولیت 18

۳۔ اردو غزل کا ارتقاء 27

۴۔ غزل پر اعتراضات 43

۵۔ ولی کی غزل گوئی 49

2 اکائی دوم 63

ا۔ کلیاتِ میر ردیف الف مرتبہ علی عباس 65

۲۔ کلیاتِ ناسخ ردیف الف مرتبہ یونس جاوید 85

۳۔ کلیاتِ آتش احتشام حسین (پہلی دس غزلیں) 102

3 اکائی سوم 119

ا۔ غالبؔ دیوان غالب ردیف الف مرتبہ مالک رام

۲۔ اقبالؔ بالِ جبریل کی پہلی دس غزلیں 140

اکائی چہارم 4

۱۔ فیض — دستِ تہہ سنگ کی پہلی دس غزلیں

۲۔ فراقؔ — گل نغمہ کی پہلی دس غزلیں

۳۔ ناصرؔ — برگِ نے کی پہلی دس غزلیں

اکائی پنجم 5

۱۔ نظم کی صنفی شناخت

۲۔ نظم کی مختلف ہیئتیں

۳۔ اردو نظم کا ارتقا

۴۔ حالیؔ — مناظرہ رحم وانصاف

۵۔ اقبالؔ — مسجد قرطبہ، ذوق وشوق

۶۔ راشدؔ — سباویران، مجھے وداع کر

۷۔ اختر الایمان — باز آمد، پگڈنڈی

صفحہ نمبر

5
7
16
27
43
49
63
65
85
102
119
121
140

اکائی اول

۱۔ غزل کی صنفی شناخت

۲۔ غزل کی مقبولیت

۳۔ اردو غزل کا ارتقاء

۴۔ غزل پر اعتراضات

۵۔ ولی کی غزل گوئی

159

161

178

196

207

209

219

234

254

270

310

329

غزل کی صنفی شناخت

ترتیب

۱۔ تعارف

۲۔ غزل کا مفہوم

۳۔ غزل کے فنی محاسن

۴۔ مجاز

۵۔ صنعت نگاری

۶۔ غزل کے موضوعات

۷۔ نمونہ امتحانی سوالات

۸۔ امدادی کتب

۱۔تعارف

شاعری کی تمام اصناف میں سے غزل ایک مقبول صنف ہے جو شروع سے آج تک اپنا مقام بنائے رکھی ہے۔ بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ اُردو شاعری میں کئی نئی اصناف کا اضافہ ہوا لیکن غزل کی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

اس اکائی میں غزل کی ہیت اور معنی پر روشنی ڈالی جائے گی ۔غزل کی خاص وصف ایمائیت پر تبصرہ کیا جائے گا اور غزل کے فنی محاسن کو بھی اُجاگر کیا جائے گا۔

۲۔غزل کا مفہوم

عورتوں سے یا ان کے متعلق باتیں کرنے کو غزل کہتے ہیں ۔یعنی حُسن پرستی اور عشقِ مجازی اس کی خمیر میں موجود ہے۔قصیدے کے تشبیب میں اگر محبوب کے حسن و جمال یا نازو ادا کا ذکر ہوگا تو اسے غزل کہتے ہیں۔غزل کے ابتدائی شعر کو مطلع کہتے ہیں اور اس شعر میں قافیہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔غزل کے آخری شعر و مقطع کہتے ہیں۔شعراء اکثر اس شعر میں اپنا تخلص استعمال کرتے ہیں ۔غزل میں اشعار کی تعداد کم سے کم سات اور زیادہ سے زیادہ اکیس ہوتی ہے۔قافیہ کی طرح غزل میں ردیف بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے جو قافیہ کے بعد استعمال کیا جاتا ہے۔

غزل بطور نمونہ

ہستی اپنی حباب کی سی ہے   یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہیے   پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں   حالت اک اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا کہا کہ یہ آواز   اسی خانہ خراب کی سی ہے

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

اس غزل میں پہلا شعر مطلع ہے، حباب۔سراب۔گلاب۔اضطراب۔خراب اور شراب قافیے ہیں اور ''سی ہے'' غزل کی ردیف ہے۔غزل کا آخری شعر مقطع ہے۔شاعر میر تقی میر نے اس شعر میں اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔

اپنی معلومات کا جائزہ

۱۔غزل کے معنی کیا ہیں۔

۲۔مطلع، مقطع، ردیف اور قافیہ کی تعریف کریں۔

۳۔غزل کے فنی محاسن

غزل کے مختلف اشعار کا ایک دوسرے کے ساتھ معنوی وابستگی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر شعر کا مضمون ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔ایسی غزل کو غزل غیر مسلسل بھی کہتے ہیں۔بعض اوقات شعراء غزل میں ایک ہی خیال پیش کرتے ہیں اور ایسی غزل کے اشعار میں معنوی تال میل پایا جاتا ہے۔اُردو شاعری میں غزل مسلسل کی تعداد بہت کم پائی جاتی ہے۔حذف وایماء اور ایمائیت غزل کے فنی خصوصیات ہیں۔حذف سے مراد ہے کہ شاعر کبھی بات کے کسی حصے کو حذف کر کے اس طرف صرف اشارہ کرتا ہے۔مثلاً غالبؔ کا یہ شعر ملاحظہ ہو

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہو اگر نامہ بر ملے

غالبؔ نے اس شعر میں حذف وایماء کے طریقے کو کام میں لا کر ایک وسیع مضمون کو فقط دو مصرعوں میں سمایا ہے۔شعراء شعر میں ایمائیت پیدا کرنے کے لیے مختلف طریقے اپناتے

ہیں۔ بعض دفعہ شعر کی ایمائیت مقرر کردہ نہیں ہوتی ہے البتہ بات کو قاری پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے تخیل، تجربات اور مشاہدات کے تعاون سے کوئی مفہوم پیدا کرے۔

تم جو باتیں بھول چکے ہو مدت سے
میں تو اب بھی ان میں الجھا رہتا ہوں

اس شعر میں بھولی ہوئی باتیں کیا ہو سکتی ہے ان کی طرف قاری کو دھیان دے کر ان کے مفہوم کو سمجھنا ہوگا۔

چونکہ شعر کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تخلیق کار ایک بڑے مضمون کو صرف ایک شعر میں چند لفظوں سے بیان کرتا ہے۔ خیالات کا بالواسطہ اظہار کرنے کے لیے مجاز اور صنائع و بدائع سے کام لیتا ہے۔

۴۔ مجاز

جب کسی لفظ سے حقیقی معنی کے علاوہ غیر حقیقی معنی لیے جاتے ہیں تو اُسے مجاز کہتے ہیں۔ **مجاز کی چار قسمیں ہیں**

مجاز

تشبیہ — استعارہ — مجاز مرسل — کنایہ

تشبیہ: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ہمشکل قرار دینے کو تشبیہ کہتے ہیں

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

استعارہ: استعارے میں مشابہت کی بناء پر مشبہ کو مشبہ بہ ٹھہرایا جاتا ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ رشید شیر کی طرح بہادر ہے تو یہ تشبیہہ ہوگی لیکن بہادری کے وصف کی بناء پر رشید کو شیر کہا جائے تو اسے استعارہ کہا جائے گا۔

یہ شوخی نرگسِ مستانہ ہم سے
چھلک کر رہ گیا پیانہ ہم سے

اس شعر میں نرگسِ مستانہ محبوب کی آنکھ کا استعارہ ہے۔

مجازِ مرسل: مجازِ مرسل سے مراد ہے کہ ایک لفظ کو لغوی معنی کے علاوہ کسی اور معنی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لفظ کے حقیقی اور مجازی معنی میں ایک خاص قسم کا رابطہ ہوتا ہے۔ مجازِ مرسل میں کُل سے جُز اور جُز سے کُل مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً

جس جا ہجوم بلبل و گُل سے جگہ نہ تھی
واں ہائے ایک برگ نہیں ایک پر نہیں

کنایہ: کنایہ سے مراد ہے پوشیدہ بات کہنا۔ یعنی شعر میں وہ لفظ استعمال کرنا جو حقیقی معنوں میں استعمال نہ ہو بلکہ اُس سے غیر حقیقی معنی کے علاوہ حقیقی معنی بھی لیے جاسکتے ہیں۔ غزل کے شعراء اپنے خیالات، مضامین، تجربات یا احساسات کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے ایماء، اشارے اور کنایہ سے بیان کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُردو کی غزلیہ شاعری کنایوں سے بھری پڑی ہے۔

مرگِ عشق تو کچھ نہیں لیکن
اک مسیحا نفس کی بات گئی

اپنی معلومات کا جائزہ:

۱۔ تشبیہ اور استعارہ میں کیا فرق ہے؟

۲۔ کنایہ؛ رمجاز مرسل کی تعریف کریں

۵۔ صنعت نگاری

صنعت نگاری کو غزل کے فن میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ صنائع کے استعمال سے شعر میں معنوی دلکشی کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی نغمگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ صنائع کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ صنائع لفظی، ۲۔ صنائع معنوی۔ غزل میں پائی جانے والی صفتوں میں چند اہم صفتیں یہ ہیں:

۱۔ صنعتِ تجنیس

اس صنعت کے تحت شعر میں ایسے دو لفظ استعمال کیے جاتے ہیں جن کا تلفظ ایک ہوتا ہے لیکن ان کے معنی مختلف ہوتے ہیں مثلاً

کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی
گر تیرا خُلد میں گھر یاد آیا

۲۔ صنعتِ تکرار

جب شعر میں کوئی لفظ بار بار دھرایا جاتا ہے تو اس میں صنعتِ تکرار کا استعمال ہوتا ہے مثلاً

یہ آپ ہم تو بوجھ ہیں زمین کا
زمین کا بوجھ اٹھانے والے کیا ہوئے

۳۔ صنعتِ تضاد

اس شعر میں ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن کے معنی میں تضاد پایا جاتا ہے مثلاً

گاہ جیتا ہوں گاہ مرتا ہوں
آنا جانا ترا قیامت ہے

۴۔صنعتِ ایہام

شعر میں ایسا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جن کے دو معنی ہوتے ہیں ایک قریب کا اور دوسرا بعید کا مثلاً

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

۵۔صنعتِ مراعات النظیر

شعر میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن کے مابین مناسبت پائی جاتی ہے مثلاً

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۶۔صنعتِ لف ونشر

شعر کے پہلے مصرعے میں کچھ چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے مصرعے میں ان کے مناسب چیزوں کا۔ دوسرے مصرعے کے مطالعے سے ہی /پہلے مصرعے میں مذکورہ چیزوں کی وضاحت ہوجاتی ہے مثلاً

تیرے رخسار وقد وچشم کے ہیں عاشقِ زار
گُل جدا ، سرو جدا ، نرگس بیمار جدا

۷۔صنعت تلمیح

شاعر اپنے شعر میں کسی تاریخی واقعہ یا شخصیت کی طرف اشارہ کر کے اپنا مقصد بیان کرتا

ہے۔ تلمیح سے شاعر ایک تاریخ کی سیر کراتا ہے مثلاً

ہر رنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہِ طور کا

اس شعر میں شاعر نے اس تاریخی واقعہ کا ذکر کیا ہے جب حضرت موسیٰ نے خدائے عز و جل کا جلوہ دیکھنے کے لیے کوہِ طور کا سیر کیا۔

۶۔غزل کے موضوعات

غزل میں موضوعات کی کوئی حد نہیں ہے البتہ ابتدائے زمانہ سے عشق اس صنف سخن کا اہم موضوع رہا ہے۔ اِس موضوع کے تحت اکثر گل و بلبل، شراب و شباب، حُسن و جمال، رفیق و رقیب اور وصل و جدائی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

....

حُسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

غزل گو شعراء نے مجازی عشق کے ساتھ ساتھ حقیقی عشق کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے اور تصوف کے باریک مسائل کی بھی وضاحت کی ہے۔ صوفی شعراء نے غزل میں اپنے وارداتِ قلبی کا اظہار بخوبی کیا ہے۔

حسنِ پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا
ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اس کا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کرے ہم کو عبث بدنام کیا

وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ غزل کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا۔ نئے موضوعات کی ایک بڑی تعداد سامنے آگئی۔ شعراء نے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشی حالات کی طرف دھیان دیا۔ کائناتی سطح پر بدلتے ہوئے حالات پر لکھا اور روز مرہ زندگی کے واقعات کو غزل کو موضوع بنایا۔

۷۔ نمونہ امتحانی سوالات

ہر سوال کا جواب تین سو الفاظ میں لکھیے۔

۱۔ مجاز کے کیا معنی ہیں؟ اس کی چار قسمیں بیان کریں۔

۲۔ صنعتِ حُسنِ تعلیل اور صنعتِ لف ونشر پر روشنی ڈالیے؟

۳۔ وقت کے ساتھ ساتھ غزل کے موضوعات بھی بدل گئے ہیں، وضاحت کریں۔

۴۔ عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی میں کیا فرق ہے۔

۵۔ غزل کے فن میں صنعت نگاری کی خاص اہمیت ہے، وضاخت کریں۔

۸۔ امدادی کتب

۱ : یوسف حسین خان	اُردو غزل
۲ : عبادت دہلوی	غزل اور مطالعہ غزل
۳ : قمر رئیس	معاصر اُردو غزل
۴ : ابواللیث صدیقی	غزل اور متغزلین
۵ : رحمت یوسف زئی	اُردو شاعری میں صنائع وبدائع
۶ : خالد علوی	غزل کے جدید رجحانات

غزل کی مقبولیت

ترتیب

۱۔ تعارف

۲۔ غزل بحیثیت صنفِ سخن

۳۔ غزل کا خاص موضوع عشق

۴۔ غزل میں رمز و ایما کا فن

۵۔ غزل میں غنائیت

۶۔ غزل میں موضوعات کی گنجائش

۷۔ تلخیص

۸۔ نمونہ امتحانی سوالات

۹۔ امدادی کتب

ا۔ تعارف

اس اکائی میں آپ کو ہر دل عزیز صنفِ سخن غزل کی مقبولیت کے بارے میں جانکاری دی جائے گی۔ اُردو شاعری میں غزل کے سوا بھی بہت کچھ ہے، قصیدہ ہے، مرثیہ ہے، مثنوی ہے مگر جو قبولِ عام غزل کو حاصل ہوا وہ کسی اور صنف کو نصیب نہ ہو سکا۔ طرفہ تماشا یہ کہ اُردو میں جس وقت سے تنقید کا باقاعدہ آغاز ہوا اسی وقت سے غزل کی مخالفت بھی شروع ہو گئی۔ حالی کو اس میں سنڈاس کی بدبو محسوس ہوئی، کلیم الدین احمد نے اسے نیم وحشی صنف سخن ٹھہرایا، عظمت اللہ خاں نے مشورہ دیا کہ غزل کی گردن بے تکلف اُڑا دینی چاہیے۔ ایسی شدید مخالفت کے باوجود غزل کی مقبولیت میں ذرہ برابر کمی نہ آئی، اضافہ ہی ہوتا رہا اور غزل نے اپنی توانائی کا ایسا ثبوت دیا کہ آج کوئی اس صنفِ سخن کے خلاف لب کشائی کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے، حد یہ کہ ہندی والوں نے غزل کو جوں کا توں اپنا لیا۔ آج کل سمیلن میں جس چیز کی سب سے زیادہ مانگ ہے وہ غزل ہے۔

جن چیزوں سے غزل کی صورت بنتی ہے ان میں پہلی چیز ہے بحر۔ شعر کا وزن کرنے یا اسے ناپنے کے پیمانے بحریں کہلاتے ہیں جو چھوٹی بڑی بھی ہو سکتی ہیں اور آسان یا مشکل بھی۔ یہ فن عروض کہلاتا ہے، یہ ایک مشکل فن ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے محنت اور وقت دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں ہم بحر کی صرف ایک مثال دے کر آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔ میر کی مشہور غزل ہے

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

اس کا وزن ہے: فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فع ...... اور اس کا نام ہے بحر متقارب۔

غزل کے تمام مصرعے کسی ایک بحر میں ہوتے ہیں۔ بحر کے بعد غزل کی دوسری پہچان ہے ردیف و قافیہ۔ ردیف وہ لفظ یا وہ الفاظ ہیں جو غزل کے پہلے شعر یعنی مطلع کے دونوں مصرعوں کے آخر میں اور ساتھ مطلع کے دونوں مصرعوں کے آخر میں (لیکن ردیف ہو تو اس سے پہلے) اور باقی تمام شعروں کے دوسرے مصرعوں کے آخر میں آئے۔ مثال کے لیے آتش کا یہ شعر دیکھیے

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے

اس شعر میں کرتے، ردیف ہے اور "روبرو" قافیہ۔ اس غزل میں روبر کے ساتھ گفتگو، آرزو، جستجو وغیرہ قوافی استعمال ہوئے ہیں۔ یہی شعر مطلع کی مثال بھی ہے۔ مطلع غزل کے پہلے شعر کو کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ استعمال کیا گیا ہو اور اگر غزل اور اگر غزل مردّف ہے تو ردیف بھی۔ غزل کے آخری شعر کو جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے مقطع کہتے ہیں۔ آتش کی اسی غزل کا مقطع ہے۔

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش
برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

ہیئت کے ذیل میں اس خصوصیت کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے اور ہر شعر میں کوئی الگ بات مکمل ہو جاتی ہے۔ قطعہ بند اشعار اور قطعات اس شرط سے مستثنا ہیں۔

۲۔ غزل بحیثیتِ صنفِ سخن

غزل بنیادی طور پر ایک داخلی صنفِ سخن ہے۔ مطلب یہ کہ غزل کا شاعر صرف وہی بیان

کرتا ہے جو اس کے دل پر بیتی ہو۔ شاعر کے دل پر گزرنے والی کیفیات وہی ہوتی ہیں جو دوسروں پر بھی بیت چکی ہوتی ہیں۔ لہٰذا پڑھنے والے یا سُننے والے کو غزل میں اپنی داستان سنائی دیتی ہے۔ گویا: ''کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے۔ جو سنتا ہے اسی کی داستان معلوم ہوتی ہے''۔ اس طرح غزل میں آپ بیتی جگ بیتی بن جاتی ہے جو کچھ شاعر کے دل پر گزرتی ہے اس کے لیے تنقید میں مختلف الفاظ موجود ہیں۔ احساسات، جذبات، واردات، قلبی وارادات، تجربہ، شعری تجربہ یا جمالیاتی تجربہ۔ لیکن غزل کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ احساسات و جذبات کے علاوہ غزل میں فکر کا عنصر بھی داخل ہو گیا۔ نئی غزل کا شاعر صرف وہی پیش نہیں کرتا جو کچھ وہ محسوس کرتا ہے بلکہ وہ بھی پیش کرتا ہے جو سوچتا ہے، جو دیکھتا ہے لیکن بہتر آج بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ شاعر کا خیال یا اس کی فکر جذبہ و احساس بن کر غزل کے شعر میں ڈھل جائے اسے محسوس فکر کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ غزل کا خاص موضوع عشق

غزل کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کا خاص موضوع عشق رہا ہے اور عشق وہ جذبہ ہے جس سے کوئی دل خالی نہیں، یوں کہ عشق کے ہزار روپ ...../مرد کا عورت یا عورت کا مرد سے عشق، ماں باپ کا اولاد یا اولاد کا ماں باپ سے عشق۔ ملک وقوم پر جان نچھاور کرنے کا نام بھی عشق ہے۔ کسی عظیم مقصد کی والہانہ لگن بھی عشق ہے، مرشد سے مرید کی عقیدت بھی عشق ہے اور سب سے ارفع و اعلیٰ عشق وہ ہے جو انسان کو محبوبِ حقیقی یعنی خدا سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسا کوئی دل نہیں، عشق کا تیر جس کے پار نہ ہوا ہو۔ چنانچہ جذبۂ عشق کی تاثیر مسلّم ہے اور غزل اپنی ابتدائی منزل میں اسی جذبے کے اظہار کے لیے وقف تھی۔ زمانے کے ورق اُلٹتے رہے۔ آخر وہ دن بھی آیا جب احساس ہوا کہ عشق بہت کچھ ہے مگر

زندگی میں عشق کے سوا بھی بہت کچھ ہے۔ اس وقت تک عشق غزل کے رگ۔ وریشے میں سرایت کر چکا تھا۔ اس کا حل یہ نکلا کہ غزل کے شاعر نے دنیا جہاں کی باتیں کہیں مگر بالعموم حسن وعشق کے پیرائے میں۔ غالبؔ نے غزل کے بارے میں ہی تو کہا ہے

مطلب ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اُردو غزل میں لفظ تو وہی استعمال ہوتے رہے..... عاشق، معشوق، رقیب، ہجر، وصال لیکن معنی بدلتے رہے۔ اپنے عہد کے شاعر فیض کی مثال لے لیجیے ان کی شاعری میں یہ علامتیں ضرور استعمال ہوئی ہیں مگر ان کے معنی مختلف ہیں مثلاً معشوق سے مراد ملک وقوم، عاشق سے مراد محبِ وطن اور رقیب سے مراد ملک وقوم دشمن۔

آج اُردو غزل کا دامن بہت وسیع ہے، دنیا کا کوئی مضمون اور کوئی موضوع نہیں جسے غزل نے اپنے وجود میں سمونہ لیا ہو لیکن حساب لگا کے دیکھا جائے تو پتا چلے گا کہ غزل میں آج بھی عشق کا پلّہ ہی بھاری ہے۔

۴۔ غزل میں رمز وایماء کا فن

غزل کا فن رمز وایما کا فن ہے یعنی غزل کا شاعر اشارے کنایے۔ ں باتیں کرتا ہے اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے، عام طور پر غزل کا شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے۔ شاعر کو اپنا تجربہ یا اپنی واردات ایک شعر میں سمو دینی پڑتی ہے۔ کیسا ہی پیچیدہ تجربہ کیوں نہ ہو، اسے پیش کرنے کے لیے شاعر کو بس دو مصرعوں کا ننھا سا پیمانہ میسر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے کمال فن کا

مظاہرہ کرتا ہے اور ایسی تدبیریں اختیار کرتا ہے کہ وہ جس تجربے سے دوچار ہوا ہے وہ ان دو مصرعوں میں سما جائے۔ اس کے لیے پہلی تدبیر تو یہ اختیار کی جاتی ہے کہ بات اشاروں میں کہی جاتی ہے قاری جو غزل کی روایت سے آگاہی رکھتا ہے وہ ان اشاروں کا مطلب خود نکال لیتا ہے، مثلاً شاعر کہتا ہے

نہ ہم سمجھے ، نہ آپ آئے کہیں سے

پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

شاعر نے یہ نہیں بتایا کہ ہم اور آپ سے کیا مراد ہے لیکن ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ہم عاشق کے لیے استعمال ہوا ہے اور آپ محبوب کے لیے۔ محبوب کہاں سے آرہا ہے یہ بھی نہیں بتایا جاتا لیکن یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ وہ رقیب کے گھر سے آرہا ہے۔ دوسری تدبیر جس سے کام لیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ شاعر کچھ بیان کرتا ہے اور کچھ قاری کے تخیل پر چھوڑ دیتا ہے۔ قاری اپنے تخیل سے کام لے کر خلا کو خود پُر کر لیتا ہے۔ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس کے لیے ایک اصطلاح استعمال ہوتی ہے، مذکور یعنی جس بات کا ذکر کر دیا گیا اور جسے بیان کیے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے اسے محذوف کہتے ہیں مطلب یہ کہ حذف کر دیا گیا یا کہیے کہ چھوڑ دیا گیا۔ مثال کے لیے غالبؔ کا یہ شعر پیش کیا جا سکتا ہے

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

اس میں مذکور کم ہے اور محذوف زیادہ دیکھیے۔ قفس میں ایک پرندہ پہلے سے قید ہے۔ صیاد ایک اور پرندہ پکڑ کے لاتا ہے اور اسی قفس میں قید کر دیتا ہے۔ اس پر پہلا قیدی پرندہ اس نئے اسیر کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تو چمن سے ابھی آیا ہے۔ بتا چمن کیسا ہے اور میرے

آشیاں کا کیا حال ہے۔ وہ حال بتانے لگتا ہے۔ لیکن کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شعر میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ شعر میں مذکور نہیں۔ اسے مجبوراً حذف کر دیا گیا۔ اس کی خاموشی کا پہلا پرندہ جو کچھ مطلب نکالتا ہے شعر میں صرف وہی بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے میرے رفیق! چمن پر جو گزری اسے بتانے میں تامل مت کر (محذوف: یہی نا کہ بجلی گری اور میرا آشیاں جل کر راکھ ہو گیا) جو آشیاں جل کر خاک ہو گیا اب اس سے میرا کیا واسطہ۔ یہاں بھی یہ محذوف ہے کہ میرا مستقل گھر تو اب یہی قفس ہے۔ باقی زندگی یہیں گزرنی ہے۔ اس شعر میں یہ کہی بات۔ کہی گئی بات سے کہیں زیادہ ہے۔ اور اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ اشارے میں کہی جانے والی بات میں زیادہ دلکشی ہوتی ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے جس کے معنی ہیں کنایے میں صراحت سے زیادہ حسن ہوتا ہے۔

جب بات وضاحت اور صراحت کے ساتھ نہیں کہی جاتی تو اس میں ایک طرح کی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے ابہام کہا جاتا ہے اگر نثر مبہم ہو جائے تو یہ اس کا عیب ہے۔ نثر میں جو کچھ کہا جائے وہ صاف سمجھ میں آنا چاہیے اور ضروری ہے کہ سننے والے کے ذہن میں بالکل وہی معنی آئیں جو کہنے کے ذہن میں ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نثر میں وضاحت، صراحت اور قطعیت ہونی چاہیے لیکن شعر میں ابہام سے حسن پیدا ہوتا ہے۔ ابہام کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ شعر کے ایک سے زیادہ معنی نکل سکتے ہیں۔ غالب کا شعر ہے

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے ! دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا؟ اس لیے کہ وہاں بھی دشت کی سی ویرانی تھی۔ دوسرا مطلب دشت پیمائی سے یہ سبق ملا کہ نہ عشق کرتے نہ گھر چھوڑ کے یہاں آنا پڑتا۔ تیسرا مطلب ان دونوں سے بالکل الگ ہے۔ دشت کو دیکھ کے خیال آیا کہ یہ ویرانی تو کچھ بھی نہیں، اصل ویرانی تو

میرے گھر میں تھی۔ مطلب یہ کہ محبوب کے نہ آنے سے گھر ویران نظر آتا تھا۔ شعر کی یہ تہ داری ابہام کی رہینِ منت ہے۔

۵۔غزل میں غنائیت

غزل کی دلکشی کا سب سے بڑا سبب اس کی غنائیت ہے۔ شعر میں ترنم یا موسیقی نہ ہوتو وہ شعر کہلانے کا مستحق نہیں۔ غزل میں یہ خوبی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کوئی دوسری صنف اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ پوری غزل کسی ایک بحر میں ہوتی ہے یعنی اس کے ہر مصرعے کا وزن یکساں ہوتا ہے جس سے ایک خاص دھن پیدا ہوتی ہے۔ ردیف و قافیہ بھی غزل کی موسیقی میں اضافہ کرتے ہیں۔ سید عابد علی نے لکھا ہے کہ موسیقی میں ضرب جو کام کرتی ہے غزل میں قافیہ وہی کام کرتا ہے۔ ضرب کو آپ طبلے کی تھاپ سمجھ لیجیے۔ ردیف کے بارے میں پروفیسر مسعود حسین خان لکھتے ہیں۔ ''غزل کے پاؤں میں ردیف پایل زیور یا جھانجھن کا حکم رکھتی ہے۔ یہ اس کی موسیقیت، ترنم، موزونیت کو بڑھاتی ہے''۔ آخری بات یہ کہ غزل کا شاعر لفظوں کے انتخاب اور ان کی ترتیب میں موسیقت و ترنم کا بہت خیال رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غزل بہت اچھی طرح گائی جا سکتی ہے۔ اسی لیے محفلوں اور مشاعروں میں غزل بے حد مقبول ہے۔

غزل کی مقبولیت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ غزل کے شعر آسانی سے یاد ہو جاتے ہیں اور مختلف موقعوں پر ان کا استعمال کیا جا سکتا ہے ایک شعر میں ایک تجربہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جب بھی کوئی شخص اس قسم کے تجربے سے دو چار ہوگا وہ آسانی سے اس شعر کو دوہرا دے گا۔ کبھی کبھی تو صرف ایک مصرعے سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ کسی دوست نے بے وفائی کی تو ہمیں یہ مصرع یاد آئے گا

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

کوئی شخص اپنے عمل پر شرمندہ ہوا مگر اس وقت جب ہمیں اس کے عمل سے نقصان پہنچ چکا تو ہم کہہ سکتے ہیں۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

یہ ہے غزل کا فن اور یہ ہیں وہ خصوصیات جنہوں نے غزل کو ایسا ہر دل عزیز بنا دیا کہ ہر دور میں وہ باقی تمام اصناف پر چھائی رہی اور شاید آئندہ بھی یہی صورت رہے گی۔

۶۔غزل میں موضوعات کی گنجائش

جب غزل کا آغاز ہوا تو وہ حسن و عشق کی باتوں تک ہی محدود تھی لیکن یہ صورتِ حال زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہی۔ اس کا دامن برابر وسیع ہوتا گیا۔ آج یہ صورت ہے کہ حیات و کائنات کا کوئی ایسا موضوع نہیں ہے کامیابی کے ساتھ غزل میں پیش نہ کیا جا سکتا ہو بلکہ پیش نہ کر دیا گیا ہو۔

اس مرکز کے پہلے بڑے شاعر میر ہیں۔ حسن و عشق ان کی غزل کا بھی سب سے اہم موضوع ہے لیکن ان کے دیوان میں تصوف کے مضامین قدم قدم پر نظر آتے ہیں لیکن جو بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ زندگی کے متعلق اہم تجربات بھی غزل میں پیش کیے جانے لگے ہیں گو ان کی تعداد کم ہے۔ کلیات میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کار گہ شیشہ گری کا

صناع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی

ہے عیب بڑا اس میں ، جسے کچھ ہنر آوے

اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں
یاں کبھو سرو و گل کے سائے تھے

اس کے بعد شاعری کا مرکز لکھنؤ کو منتقل ہوا۔ یہاں اُردو شاعری کی دنیا میں باریابی حاصل ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ہجر کے بجائے وصال کے مواقع میسر تھے۔ اس لیے حزن وملال کے بجائے خوشی اور سرمستی کی کیفیت چھائی ہوئی ہے۔

۷۔ تلخیص

اس اکائی میں آپ نے اُردو کی ہر دلعزیز صنفِ سخن غزل سے متعلق جانکاری حاصل کی۔ غزل ابتدائے زمانہ سے لے کر آج تک اپنا مقام قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ شعراء نے اس صنف میں اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو بہ حُسنِ خوبی پیش کیا ہے۔ غزل کی مقبولیت کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ اس کا پسندیدہ موضوع عشق رہا ہے جس کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ ہر انسان کی فطرت کے ساتھ ہے۔ غزل میں ہر طرح کی کیفیت بیان کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اس صنف میں غنائیت پائی جاتی ہے۔ ترنم اور موسیقی کا عنصر ہی اس صنف کو دلکش اور دلچسپ بناتا ہے۔ جدید غزل میں شعراء اب ہر طرح کے موضوعات پر لکھتے ہیں۔

۸۔ نمونہ امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کا جواب بیس سطروں میں دیجیے

۱۔ غزل کی بحیثیت صنفِ سُخن تعریف کریں۔

۲۔ عشق غزل کا خاص موضوع رہا ہے۔ وضاحت کریں۔

درج ذیل سوالات کا جواب دس سطروں میں لکھئے۔

۱۔غزل ایک داخلی صنفِ سخن ہے۔وضاحت کریں

۲۔غزل میں غنائیت پائی جاتی ہے،وضاحت کریں۔

امدادی کتب

۱۔ڈاکٹر ممتاز الحق — اُردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل

۲۔ڈاکٹر عبارت بریلوی — غزل اور مطالعہ غزل

۳۔نصیر الدین ہاشمی — دکن میں اُردو

۴۔ڈاکٹر جمیل جالبی — تاریخ ادب اُردو

۵۔رام بابو سکسینہ — اُردو ادب کی تاریخ

اُردو غزل کا ارتقاء

ترتیب

۱۔ تعارف

۲۔ اُردو غزل کا آغاز بحوالہ دکن

۳۔ دبستانِ لکھنو اور اُردو غزل

۴۔ دہلی میں غزل کی پیش رفت

۵۔ غزل پر حالی کی تنقید

۶۔ اُردو غزل پر ادبی تحریکوں کا اثر

۷۔ اُردو غزل کا نیا موڑ

۸۔ تلخیص

۹۔ امدادی کتب

۱۰۔ نمونہ امتحانی سوالات

۱۔تعارف

اس اکائی میں آپ کو اُردو غزل کے مفہوم سے روشناس کیا گیا اور آپ نے اس کے فنی محاسن سے بھی جانکاری حاصل کی۔اب آپ کو ان حالات سے واقف کیا جائے گا جنھوں نے اُردو غزل کی پیدائش کے لیے ماحول کو سازگار بنایا۔دکن کے سرزمین سے ان شاعروں کی ایک بڑی تعداد نے جنم لیا جنھوں نے اُردو غزل کے ابتدائی نمونے پیش کیے۔دہلی کے شعراء نے اس صنف کو پروان چڑھانے میں اپنا خونِ جگر صرف کیا۔دبستانِ دہلی کے بعد دبستانِ لکھنو کے منسلک شعراء نے بھی غزل کو بلندیوں کی جانب گامزن کرانے میں اہم کردار نبھایا۔ترقی پسند تحریک نے غزل کو جدید رجحانات سے روشناس کرایا اور اس میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔

۲۔غزل گوئی کا آغاز بحوالہ دکن

قصیدے کی طرح اُردو غزل بھی فارسی شاعری کی ہی دین ہے۔اُردو شاعروں۔نے فارسی غزل طرز پر ہی اُردو غزل کے فن اور موضوعات کا انتخاب کیا۔امیر خسرؔو کو اُردو غزل کا بانی کار کہا جاتا ہے کیونکہ ابتدائی غزل کے نمونے ان کے ہی ہاں ملتے ہیں۔خسرؔو نے جو غزل لکھی ہے اس کا آدھا مصرعہ اُردو میں اور آدھا مصرعہ فارسی میں ہے

ز حال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہو کا ہے لگائے چھتیاں

شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں دکن کے شعراء کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔چنانچہ

بعض حکمران اور امراء و وزراء خود بھی شعر گوئی کے شوقین تھے۔ لہٰذا اس فن میں دلچسپی لینے والے دیگر فنکاروں کو تمام تر سہولیات میسر تھیں۔ اس کے نتیجے میں شاعروں کی ایک کثیر تعداد وجود میں آئی۔ ان شعراء نے مثنوی کے ساتھ ساتھ اُردو غزل میں اپنا کمال دکھایا۔ گولکنڈہ میں غزل کے ابتدائی نمونے فیروزؔ، خیالیؔ، شیخ محمد گجراتیؔ اور حسن شوقیؔ کے ہاں ملتے ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ، وجہیؔ، عبداللہ قطب شاہ اور غواصی نے دکنی میں غزلیات لکھیں۔ عادل شاہی دورِ حکومت میں بھی شاعروں کی بڑی تعداد نے غزل گوئی میں دلچسپی لی۔ ان میں سے شہباز حسینی، برہان الدین جانم، نصرتی، ملک خوشنود کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ فارسی کے زیر اثر پروان چڑھنے کے باوجود دکنی شعراء نے اُردو غزل کو مقامی تہذیب وتمدن، معاشرت اور ثقافت کے بالکل قریب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنعت میں پائے جانے والے کردار اور ان کے جذبات واحساسات سب مقامی معلوم ہوتے ہیں۔ دکنی شعراء نے اُردو غزل میں عشق کے علاوہ تصوف اور اخلاق کو اپنا موضوع بنایا۔

باطن فقیر ہو کر ظاہر غنی رہا ہوں
لوگاں میں بارے جیوں تیوں گھر کے بھرم رکھیا ہوں

....

نہ حال پہ اپنی نظر کر عیب و سریاں کے چنیں
بی بی کے مسند کے اُپر باندی کوئی سلائے ہیں

ولی دکنی کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے غزل کی صنف نے ترقی کی بلندیوں کو چھو لیا۔ اندازِ بیان اور زبان میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔ فارسی الفاظ اور تراکیب کا استعمال ہونے لگا۔ غزل میں خارجیت کے بجائے داخلی جذبات اور قلبی احساسات کا اظہار ہونے لگا۔ ولیؔ کے

اشعار سادہ اور عام فہم ہیں۔ انہوں نے مختلف صنائع کا استعمال کر کے صنف غزل کو دلکش اور جاذبِ نظر بنایا

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

سراج اورنگ آبادی کی ابتدائی غزلیات میں دکنی اور فارسیت کا سنگم پایا جاتا ہے لیکن ان کے آخری دور کی غزلیات میں فارسی زبان کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے عشقِ مجاز کو اپنا موضوع بنا کر بے شمار غزلیں لکھی ہیں

دامن تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
کیا خاک میں ملی ہیں مری جاں فشانیاں

۳۔ شمالی ہند میں غزل گوئی

دہلی میں اُردو شاعری کا رواج اس وقت عام ہوا جب ولی دکنی کا دیوان وہاں پہنچا اور ہر خاص وعام نے اس کی سراہنا کی۔ شاعری کا ذوق رکھنے والوں نے ولی دکنی کے اندازِ بیان اور ان کے موضوعات کو بہت پسند کیا یہاں تک کہ انہوں نے بھی تقلید کا راستہ اختیار کیا۔ گویا ولی کے دیوان نے دلی کے مزاج میں ارتعاشات پیدا کیں۔ جو شعراء فارسی میں غزل کہتے تھے انہوں نے یکسر اُردو غزل کہنے کی طرف دھیان دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی غزلیات میں دکنی الفاظ اور تراکیب کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ اس دور کے شعراء میں سے حاتمؔ، آبرو، ناجیؔ، اور آرزوؔ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ حاتم کا یہ شعر بطور نمونہ دیکھیے

اس درجہ ہوئے خرابِ الفت
جی سے اپنے اتر گئے ہم

دہلی کے شعراء نے ایہام گوئی کی طرف توجہ دے کر اُردو غزل میں نئے نئے مضامین باندھے۔ فارسی غزل کے نقشِ قدم پر چل کر انہوں نے اپنے احساسات اور قلبی جذبات کو ایرانی طرز پر پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں غزلیات پر ایرانی تہذیب وتمدن اور ثقافت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ غزل کے موضوعات میں وسعت آ گئی اور تصوف و اخلاق غزل کے دلچسپ موضوعات بن گئے

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

....

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

معلومات کا جائزہ

۱۔ اُردو غزل کا آغاز کب ہوا؟

۲۔ اُردو کا پہلا شاعر کون تھا؟

۳۔ دکن میں اُردو غزل کی ترقی کے کیا اسباب تھے؟

۴۔ ولی دکنی کی شاعری نے دہلی کے شعراء پر کیا اثر ڈالا؟

۵۔ دہلی کے شعراء نے اُردو غزل میں کیا تبدیلیاں لائیں؟

۴۔ دبستانِ لکھنو اور اُردو غزل

دہلی پر حملہ آوروں کی یلغار نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ زندگی کا ہر شعبہ بُری طرح متاثر ہوا۔ ناسازگار حالات کے نتیجے میں شعراء نے تحفظ اور روزگار کی خاطر دہلی سے ہجرت

کی اور لکھنو میں قیام کیا۔ نتیجے کے طور پر دہلی کے بجائے لکھنو میں اُردو شاعری کا نیا مرکز وجود میں آنے لگا۔ چنانچہ دہلی کے سلاطین خود بھی شعروشاعری کا شغف رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے شاعروں کی سرپرستی میں دلچسپی لی۔ لکھنوی تہذیب نے اُردو غزل کو ہر رنگ میں متاثر کیا۔ دربارداری اور امراء و وزراء کی عیش پرستی اور رنگ رلیوں نے غزلیہ شاعری کو ایک نیا مزاج بخشا۔ عشق کے معاملات کو کھل کر بیان کرنے کا رواج عام ہوگیا۔ مرد کے بجائے عورت غزل کا محبوب بن گئی۔ عشقِ حقیقی کے بجائے عشق مجازی پر بے شمار شعر لکھے گئے

کیا کہوں حسن و لطافت جامۂ شبنم سے ہائے
نکلا ہی پڑتا ہے وہ گورا بدن مہتاب سا

....

ماہ وانجم کو تو نے سب کی نظروں سے اُتارا ہے
قیامت کام دانی کا دوپٹا چاند تارا ہے

۵۔ دہلی میں غزل کی پیش رفت

ایک طویل مدت کے بعد دہلی میں سکون چھا جانے اور امن و امان قائم ہونے کے ساتھ ہی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ مغل دورِ حکومت کا آخری چراغ بجھنے کو تھا اور انگریز اپنی ریشہ دوانی میں مصروف تھے۔ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح شعروادب کی دنیا بھی بدل گئی۔ غالبؔ، مومنؔ اور ذوقؔ جیسے کہنہ مشق اُساتذہ نے اُردو غزل میں ایک نئی روح پھونک دی۔ چوٹی کے ان شاعروں نے ہزاروں کی تعداد میں غزلیں لکھیں اور وہ بڑی فنکاری کے ساتھ۔ غالبؔ نے اگرچہ ابتدا میں دور از فہم غزلیات لکھیں لیکن بعد میں اپنا انداز بدل ڈالا اور سادہ زبان میں شعر کہنے لگے۔ غالبؔ نے فلسفیانہ موضوع کے ساتھ

ساتھ اپنے زمانے کے حالات اور حادثات سے متاثر ہو کر اشعار کی ایک بڑی تعداد لکھی۔ غالبؔ کی شاعری کو اگرچہ ایک طویل زمانہ بھی گزر چکا ہے لیکن پھر بھی موجودہ زمانے کی زندگی اور مسائل کی عکاس معلوم ہوتی ہے۔ مومنؔ کی شاعری کا موضوع عشق رہا ہے۔ عشق سے متعلق تمام تر واردات اور کیفیات کو انہوں نے بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

....

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شب ہجراں ہوں گے

ذوقؔ کا انداز غالبؔ اور مومنؔ کے مقابلے میں بالکل مختلف تھا۔ انہوں نے اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار خالص اُردو شاعری میں کیا۔ محاوروں کا بھرپور استعمال کرنا ان کی عادت تھی۔ صنائع بدائع کا استعمال ان کی شاعری میں جا بجا ملتا ہے۔ ذوقؔ نے روزمرہ زندگی کے حالات اور واقعات کو اپنی غزلیات میں جگہ دے کر غزل کے فن میں وسعت پیدا کر دی ہے

مقدر ہی پہ گر سود و زیاں ہے
تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا

....

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے اپنی خوشی چلے

اس دور کے شعراء میں بہادر شاہ ظفر کا نام بہت ہی مشہور رہا ہے۔ وہ ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ تھے اور ان ہی کے زمانے میں ہندوستان سیاسی افراتفری کا شکار ہوا۔ بہادر شاہ ظفر کی غزلیات غم والم کی داستان بیان کرتی ہیں

نہ کسی کی آنکھ کا نُور ہوں نہ کسی کے دل کا سرُور ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے وہی ایک مُشت غبار ہوں

کتنا ہے بد نصیب ظفرکہ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوی یار میں

....

کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل کوئی کیا کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

....

اسیرؔ، امیر مینائیؔ اور داغؔ نے غزل گوئی کی بڑی حد تک آبیاری کی۔

۶۔ غزل پر حالیؔ کی تنقید

خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے اپنی تنقیدی کتاب ''مقدمہ شعروشاعری'' میں غزل پر سب سے زیادہ تنقیدی نگاہ ڈالی۔ چونکہ ان کے زمانے میں شعراء لفظ پرستی صنعت نگاری اور مبالغہ آرائی کی طرف بہت زیادہ توجہ دے رہے تھے اور مشکل زمینوں کا انتخاب کر رہے تھے۔ شراب کو آبِ حیات کا مقام دیا جاتا تھا اور محبوب کے تعارف میں من گھڑت اور دُور از فہم اور بعید از یقین صفات بیان کی جاتی تھیں۔ چونکہ ہزاروں نقائص کے باوجود بھی غزل کی صنف عوام میں مقبول تھی اور حالیؔ اسی صنف کے ذریعے لوگوں کے مزاج اور اخلاق میں سدھار لانا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی کتاب میں اس صنف کی اصلاح کے لیے کئی

تجاویز پیش کیں۔

۱۔شعر میں صنعت کے استعمال سے چاشنی پیدا ہو جاتی ہے لیکن شاعر کو محض صنائع اور بدائع استعمال کرنے کے لیے شعر نہیں کہنا چاہے۔

۲۔غیر مرّدف غزلیں کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ مشکل زمینوں میں شعر کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ردیف اور قافیہ کا استعمال کرنے کے وقت ان میں مناسبت قائم رکھنے کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

۳۔غیر مانوس الفاظ کا بیک وقت استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

۴۔غزل کو صرف عشق و محبت تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ اس میں زندگی سے متعلق دیگر موضوعات پر بھی روشنی ڈالنی چاہیئے اور زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو بھی اس صنف میں بیان کرنا چاہیے۔

۵۔سادگی اور صفائی کو غزل کا زیور سمجھنا چاہیئے۔

۶۔غزل کو محض زاہدوں اور عابدوں کی نکتہ چینی کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

غزل پر حالؔی کی اس تنقید کا یہ اثر ہوا کہ شعراء نے اندازِ بیان اور غزل کے موضوعات کے بارے میں نئے سرے سے سوچنا شروع کیا اور نئے انداز میں غزلیں کہیں۔ایسے شعراء میں ثاقبؔ اور عزیز لکھنویؔ کے نام قابلِ ذکر ہیں

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے (ثاقبؔ)

ہے ان کی بزم میں ہر شخص اپنے عالم میں
کسی کا راز کسی پر عیاں نہیں ہوتا (عزیز لکھنویؔ)

رئیس المتغزلین حسرت موہانی نے غزل کا معیار اور اونچا کرنے کے لیے اس کا انداز بدلنے کی کوشش کی۔ انہوں نے عشق کے مضامین کو مجاز کے بجائے حقیقت کے قریب لایا اور من گھڑت خیالات برتنے سے احتراز کیا۔ حسرت کے زمانے میں ہی جن شاعروں نے غزل کو نیا لباس پہنایا ان میں شادؔ عظیم آبادی، چکبستؔ لکھنوی، جگر مرادآبادیؔ، اصغر گونڈویؔ، یگانہ چنگیزیؔ اور فانیؔ بدایونی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان شاعروں نے محبوب کا روایتی تصور بدل ڈالا اور اصلی عورت کو محبوب بنایا۔ ان کا محبوب بنتِ حوا ہے جو ہماری طرح ایک انسان ہے اور جس میں ہماری طرح عشق و محبت کرنے کی کمزوری پائی جاتی ہے۔ ان شاعروں نے غزل میں انسانی مسائل پر غور کیا اور زندگی کے مقاصد کی نشاندہی کی

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

....

اُمید وہم نے مارا مجھے دو راہے پر
کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

....

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستان معلوم ہوتی ہے

معلومات کا جائزہ

ا۔ دبستانِ لکھنو کا تعارف کریں؟

۲۔ دبستانِ لکھنو کی غزلیات کے فنی محاسن پر تبصرہ کریں؟

۳۔ دہلی کے تین برگزیدہ غزل گو شعراء کون تھے؟

۴۔ حالی نے غزل میں کن تبدیلیوں پر زور دیا ہے؟

۵۔ حسرت موہانی نے اُردو غزل میں کیا تبدیلی لائی؟

۶۔ اُردو غزل پر ادبی تحریکوں کا اثر

حلقۂ اربابِ ذوق اور ترقی پسند تحریک اُردو ادب کی دو اہم تحریکیں ہیں۔ ترقی پسندوں نے اس صنف کو جاگیردارانہ عہد کی پیداوار قرار دیا اور حلقہ اربابِ ذوق کے شعراء غزل کے بجائے نظم کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ چونکہ ترقی پسندوں کا بنیادی مقصد شاعری میں زندگی کے مقاصد کو بیان کرنا تھا اور وہ ولولہ انگیز بیانوں میں یقین رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے اپنے مقاصد کے پرچار کے لیے غزل کو بڑی حد تک کارآمد صنف کے طور پر قبول کیا۔ فیض احمد فیضؔ، مجروحؔ سلطان پوری اور ساحر لدھیانویؔ نے ترقی پسند غزلیں لکھیں اور ان میں اپنے خیالات اور جذبات کو ولولہ انگیز انداز میں پیش کیا۔ مجروح سلطان پوری کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی شاعری کا وہ حصہ ہے جس کا موضوع خالص سیاست ہے۔ چونکہ ترقی پسند شعراء نے عشق و جنون، رومان و انقلاب اور ادب اور سماج کی امتزاجی صورتوں میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ مجروح کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ فیض احمد فیضؔ بھی ان ہی خیالات کے حامی تھے۔ یہ دونوں ترقی پسند شعراء باقاعدہ مزدوروں اور عوام کی تحریکوں سے جڑے ہوئے تھے اور جیل بھی گئے تھے جس کا اظہار ان کی شاعری میں جابجا ہوا ہے

دیکھ زنداں سے پرے رنگِ چمن جوشِ بہار
رقص کرنا ہے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ

پارۂ دل ہے وطن کی سر زمین مشکل یہ ہے
شہر کو ویراں کہیں یا دل کو ویرانہ کہیں مجروحؔ

....

چمن میں غارتِ گلچیں سے جانے کیا گزری
قفس سے آج صبا سوگوار گزری ہے
فیضؔ

بیگانہ صفت جادۂ منزل سے گزر جا
ہر چیز سزا وار نظارہ نہیں ہوتی
ساحرؔ

جن غزل گو شاعروں کا تعلق حلقۂ اربابِ ذوق کے ساتھ تھا وہ اکثر آزادخیالی کے حامل تھے۔ وہ ادب کو کسی بھی سیاسی تحریک کے ہاتھوں میں بطورِ ہتھیار تھمانا نہیں چاہتے تھے البتہ وہ غزل میں انسان کی داخلی کیفیات، نفسیاتی حالات اور ان کے ساتھ جڑے ہوئے دیگر مسائل پر لکھتے تھے

نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستہ بھول گیا
کیا ہے تیرا کیا ہے میرا اپنا پرایا بھول گیا

....

تری چاہت کے سناٹے سے ڈر کر
ہجومِ زندگی میں کھو گئے ہم

۸۔اُردو غزل کا نیا موڑ

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں نے ہندوستانی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔ادب کے میدان میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر غزل گو شاعروں نے اس صنف کو نیا موڑ دینے کی کوشش کی اور عصری زندگی کے مسائل اور تقاضوں کو پیش کیا۔آزادی کی تحریک نے اُردو غزل کو انقلابی موضوعات سے مالا مال کیا۔ناصر کاظمیؔ، خلیل الرحمٰن اعظمیؔ، جمیل مظہریؔ، اور حبیب جالبؔ اس دور کے اہم شاعر ہیں۔ناصر کاظمی نے جذباتِ عشق سے زیادہ عشق کی تصویر کشی پر توجہ کی اور انسانی وجود کی صورتِ حال اور اپنے عہد کے سیاسی و سماجی حالات کو داخلی رنگ میں پیش کیا۔ان کے ہاں غزل مسلسل کی اچھی تعداد پائی جاتی ہے

عمارتیں تو جل کے راکھ ہو گئیں
عمارتیں بنانے والے کیا ہوئے
ہر خرابہ یہ صدا دیتا ہے
میں بھی آباد مکاں تھا پہلے

....

دل تو میرا اُداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

....

موجودہ دور کی غزل میں ہجرت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو خاص طور پر موضوع بنایا گیا۔دہشت گردی اور فسادات نے جو تباہی مچائی اور خوف کا ماحول پیدا کر دیا

اس کی عکاسی بھی جدید غزل میں ملتی ہے۔اس کے علاوہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف جدید شاعر شدت سے احتجاج کرتے ہیں

گھر سے چلو تو چاروں طرف دیکھتے چلو
کیا جانے کون پیٹھ میں خنجر اُتار دے

....

حال اپنا جو چھپانا ہی کسی کو ہے تو
گھر کا کوڑا بھی نہ دروازے کے باہر پھینکے

....

ہمارے دن ہمارے واسطے ایک بوجھ بن جائے
اگر راتوں پہ خوابوں کی نگہبانی نہیں ہوتی

....

چاند اکیلا افسردہ ہے رات کی محفل میں
باقی دنیا لگی ہوتی ہے جشن منانے میں

معلومات کا جائزہ

۱۔ترقی پسند تحریک نے اُردو غزل پر کیا اثر ڈالا؟

۲۔حلقہ ارباب ذوق کے شعراء کا بنیادی نصب العین کیا تھا؟

۳۔آزادی کے بعد اُردو غزل میں کیا تبدیلی آئی؟

۴۔ناصر کاظمی کی غزلیات کا بنیادی وصف کیا ہے؟

۵۔جدید تر غزل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

۹۔ تلخیص

اس اکائی میں ہم نے دیکھا کہ اُردو غزل کی ابتدا کن حالات میں ہوئی۔ امیر خسرو وہ پہلے شاعر تھے جنہوں نے اُردو غزل کا نمونہ پیش کیا۔ شمالی ہند اور دکن میں غزل نے کیا ترقی کی۔ ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق جیسی ادبی تحریکوں نے اُردو غزل کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ جدید غزل نے انسان اور اس کی زندگی میں پیدا ہونے والے حالات اور واقعات کو اپنا موضوع بنایا۔

۱۰۔ نمونہ امتحانی سوالات

ان سوالوں کے جواب بیس بیس سطروں میں مطلوب ہیں۔

۱۔ دکن میں اُردو غزل کا آغاز کن حالات میں ہوا؟

۲۔ ولی دکنی کے دیوان نے دہلی کے شاعروں پر کیا اثر ڈالا؟

۳۔ شمالی ہند کی اُردو غزل کے اوصاف بیان کریں؟

۴۔ دبستانِ لکھنو کی خصوصیات بیان کریں؟

۵۔ جدید اُردو غزل پر تبصرہ کریں

ان سوالوں کے جواب دس دس سطروں میں مطلوب ہیں

۱۔ ناصر کاظمی کی غزل گوئی پر تبصرہ کریں؟

۲۔ حالی نے غزل کی اصلاح میں کن تجاویز کا ذکر کیا؟

۳۔ ترقی پسند تحریک نے اُردو غزل پر کیا اثرات ڈالے؟

۴۔ زمانہ حال میں غزل کی کیا صورت حال ہے؟

۵۔ مجروح سلطانپوری کی غزل گوئی کا جائزہ لیجیے؟

۱۱۔امدادی کتب

ڈاکٹر جمیل جالبی	تاریخ ادب اُردو
رام بابو سکسینہ	اُردو ادب کی تاریخ
قمر رئیس	معاصر اُردو غزل
عبادت بریلوی	غزل اور مطالعہ غزل
یوسف حسین خان	اُردو غزل
سیدہ جعفر	دکنی غزل کی نشوونما

☆☆☆

غزل پر اعتراضات

ترتیب

۱۔ تعارف

۲۔ ردیف کی پابندی پر اعتراض

۳۔ معشوق کے مرد ہونے پر اعتراض

۴۔ غزل کی تنگ دامنی پر اعتراض

۵۔ تکرار مضامین پر اعتراض

۶۔ سخت پابندیوں پر اعتراض

۷۔ ریزہ کاری پر اعتراض

۸۔ تلخیص

۹۔ نمونہ امتحانی سوالات

۱۰۔ امدادی کتب

تعارف

اس اکائی میں آپ مشہور صنف سخن غزل پر کیے گئے اعتراضات کے بارے میں جانکاری حاصل کریں گے۔ چنانچہ اُردو ادب میں تنقید کی باقاعدہ شروعات کے ساتھ ہی کم وبیش تمام اصناف سخن ہدف تنقید بنے مثلاً قصیدہ، مثنوی مرثیہ، رباعی، نظم، قطعہ وغیرہ لیکن ان تمام اصناف میں سے غزل ہر دلعزیز صنف ہونے کے باوجود ناقدینِ ادب کے لیے موضوع بحث بن گئی۔ مشہور نقاد کلیم الدین احمد نے غزل میں معنوی ربط نہ ہونے اور من گھڑت موضوعات تراشنے کی وجہ سے اِسے نیم وحشی صنف قرار دیا ہے۔ ایک اور نقاد عظمت اللہ خان نے گردن کو بے دریغ مارنے کا حکم بھی صادر کیا ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی نے غزل پر کئی اعتراضات کیے ہیں۔ جن کی تفصیل آپ آگے کے صفحات پر حاصل کریں گے۔

۲۔ ردیف کی پابندی پر اعتراض

غزل گوشاعروں پر اُلٹے پاؤں چلنے کا الزام بھی ہے۔ چنانچہ غزل کی ردیف پہلے سے طے ہے۔ اس سے پہلے قافیہ، گویا شاعر ردیف اور قافیہ کے مطابق خیالات ترتیب دیتا ہے نہ کہ خیالات کے مطابق ردیف اور قافیہ لاتا ہے۔ قافیہ کی رعایت سے دوسرا مصرعہ پہلے مکمل ہوتا ہے پھر اس پر گرہ لگائی جاتی ہے یعنی پہلا مصرعہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح غزل کہنے کی ترتیب الٹی ہوئی۔ اگر چہ یہ اعتراض کسی حد تک سہی ہے لیکن شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرا مصرعہ پہلے اور پہلا مصرعہ بعد کو کہتا ہے۔ لیکن پڑھنے والے کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا ہے۔ یہی غزل گو کا کمال ہے۔

۳۔ معشوق کے مرد ہونے پر اعتراض

غزل پر ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ اس میں جو معشوق پیش کیا جاتا ہے وہ امرد یعنی لڑکا ہے

،ور کبھی کبھی تو اس کی داڑھی مونچھ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے مثلاً

حُسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

داڑھی مونچھ کا ذکر تو واقعی نا مناسب تھا اور رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔ مگر تذکیر کا صیغہ باقی رہا مثلاً ”وہ آ گئے تو لب بھی ہلایا نہ جاسکا“۔ اس کا مقصد ایک تو راز داری ہے اور دوسری یہ کہ یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی شخص مرد ہے یا عورت تو مذکر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً آپ کسی کے قدموں کی چاپ سُن کر اپنے ملازم سے یہ کہتے ہیں کہ ”دیکھ کون آیا ہے“ یہ کبھی نہیں کہتے کہ کون آئی ہے، اسی طرح غزل میں زنانہ لباس کے ذکر کو بھی عیب بتایا گیا۔ اس کا رواج بھی ختم ہو گیا۔

۴۔ غزل کی تنگ دامنی پر اعتراض

غزل پر یہ بھی اعتراض کیا گیا کہ اس کا دامن تنگ ہے۔ عشق و عاشقی کے سوا یہاں دھرا ہی کیا ہے اور یہ عشق بھی فرضی ہے۔ عشق کی بات وہ شاعر بھی کرتا ہے جس نے زندگی میں کبھی عشق کیا ہی نہیں۔

اس اعتراض کے جواب میں کئی باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ جس زمانے میں حالؔی نے یہ اعتراض کیا اسی زمانے میں بلکہ اس سے کچھ پہلے ہی سے غالبؔ جنہیں حالؔی اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔ اُردو غزل کے موضوعات کو وسعت دے رہے تھے۔ وہ حیات و کائنات کے مسائل پر غور کرتے تھے اور انہیں اپنے شعروں میں جگہ دیتے تھے۔ دوسری یہ کہ عشق بھی زندگی کا ایک جزو ہے بلکہ سب سے اہم جزو۔ اس لیے عشق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تیسری یہ کہ عشق کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ مثلاً خدا سے عشق، ماں

باپ سے عشق، اولاد سے عشق، وطن سے عشق، کسی اہم مقصد سے عشق وغیرہ وغیرہ۔ چوتھی اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ عشق کے پردے میں زندگی کی بے شمار حقیقتوں کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی علامتیں تو وہی رہتی ہے جو عشقیہ شاعری میں استعمال ہوتی رہیں مگر ان کا مفہوم بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً لفظ محبوب کے معنی کہیں خدا ہوتے ہیں کہیں معشوقِ مجازی، کہیں وطن، کہیں قوم اور کہیں مقصد۔

یہ تو بالکل غلط کہا گیا کہ جس نے عشق نہ کیا ہو اسے اپنے شعروں میں عشق و عاشقی کا ذکر کرنے اور معاملاتِ عشق کو پیش کرنے کا کوئی حق نہیں۔ فن کار اور خاص طور پر شاعر کے پاس تخیل کی ایسی صلاحیت ہوتی ہے کہ جو کچھ اس نے اصلیت میں دیکھا نہیں تخیل کی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ جو کچھ شاعر کے دل پر بیتی نہیں وہ تخیل کی بدولت اس کے دل پر بیت جاتی ہے۔

۵۔ تکرارِ مضامین پر اعتراض

اُردو غزل پر حالیؔ کا دوسرا اعتراض تکرارِ مضامین کا ہے۔ انہیں شکایت ہے کہ چند مضمون ہیں جنہیں غزل میں لفظوں کے معمولی اُلٹ پھیر کے ساتھ بار بار پیش کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ایک دیوان کی مثال دی ہے جس پر چاک گریباں کا مضمون ڈیڑھ سو بار ادا ہوا ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے بھی چودہ برس شاعری کی پھر جب آنکھ سے پٹی کھلی تو معلوم ہوا کہ کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی دائرے میں گردش کرتے رہے۔

۶۔ سخت پابندیوں پر اعتراض

غزل کے شاعر کو زیادہ پابندیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ غزل کا ہر مصرع یکساں وزن میں ہوتا ہے۔ قافیے کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ قافیے کی پابندی ہی کچھ کم نہیں۔ شاعر کو ہر شعر قافیے کی رعایت سے کہنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی غزل میں قافیے کے علاوہ ردیف کا اہتمام بھی

ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ مطلع کے دونوں مصرعوں میں قافیہ یا قافیہ وردیف دونوں کا اہتمام ہو۔ آخری شعر جو مقطع کہلاتا ہے اس میں شاعر کو اپنا تخلص لانا ضروری ہوتا ہے۔ بے شک یہ پابندیاں غزل کو ایک مشکل فن بنا دیتی ہے۔ ان کے علاوہ یہ پابندی بھی کچھ کم نہیں کہ غزل کا شاعر دو مصرعوں میں اپنی بات مکمل کرنے پر مجبور ہے۔ ان پابندیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ مشورہ دیا گیا کہ صنف غزل کا مٹا دینا اُردو شاعری کے لیے مفید ہوگا۔

۷۔ ریزہ کاری پر اعتراض

غزل کی جو خصوصیت سب سے زیادہ اعتراض کا نشانہ بنی وہ ہے اس کی ریزہ کاری۔ ریزہ کاری سے مراد یہ ہے کہ غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے یعنی ہر شعر میں ایک مکمل بات کہہ دی جاتی ہے۔ ایک غزل کے مختلف شعروں میں کوئی ربط نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے ایک شعر میں وصال کا ذکر ہو تو دوسرے میں ہجر کا اور تیسرے میں ان دونوں سے مختلف۔ غزل کی یہ وہ خصوصیت ہے جس پر سب سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی۔

۸۔ تلخیص

اس اکائی میں آپ نے پڑھا کہ تنقیدی ادب وجود میں آنے کے ساتھ ہی مشہور صنفِ سخن غزل ہر لحاظ سے تنقید کا نشانہ بن گئی۔ چوٹی کے ناقدین نے غزل پر تنقیدی مضامین لکھے۔ کلیم الدین احمد اور عظمت اللہ خان جیسے ناقدین نے غزل کو خصوصاً اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے تو اپنی کتاب مقدمہ شعر و شاعری میں غزل پر درجنوں اعتراضات اٹھائے۔ بقولِ ان کے ردیف کی پابندی نے تو غزل کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ اس پابندی نے تو خیال سے زیادہ اہمیت ردیف اور قافیہ کو دی ہے۔ غزل گو شعراء نے مرد کو ہی معشوق ٹھہرایا جو کہ عشق کے معاملات میں بالکل جائز نہیں ہے۔ غزل کی تنگ دامنی

شاعروں کو اظہارِ خیال کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے اور مضامین کی تکرار نے اس صنف کو بوجھل بنا دیا ہے۔ ردیف اور قافیہ کی پابندی نے شعراء کو ایک تنگ دائرے میں قید کر رکھا ہے۔ غزل کی ایک اہم خصوصیت ریزہ کاری پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔ بقولِ ناقدین غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے یعنی ہر شعر میں ایک مکمل بات کہہ دی جاتی ہے۔

۹۔ نمونہ امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب بیس بیس سطروں میں مطلوب ہیں

۱۔ اُردو غزل پر کی گئی تنقید پر تبصرہ کریں؟

۲۔ ردیف کی پابندی غزل کے لیے کیوں مضر ہے؟

۳۔ غزل کی تنگ دامنی پر کیوں اعتراض کیا گیا ہے؟

درج ذیل سوالات کے جواب دس دس سطروں میں مطلوب ہیں؟

۱۔ کلیم الدین احمد نے غزل کے بارے میں کیا کہا ہے؟

۲۔ عظمت اللہ خان نے غزل کے بارے میں کیا حکم دیا ہے؟

۳۔ غزل میں مضامین کی تکرار پر کس نے اعتراض کیا ہے اور کیوں؟

۱۰۔ امدادی کتب

۱۔ خواجہ الطاف حسین حالیؔ — مقدمہ شعر و شاعری

۲۔ آل احمد سرور — تنقیدی اشارے

۳۔ سید احتشام حسین — تنقیدی جائزے

۴۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی — غزل اور مطالعہ غزل

۵۔ ڈاکٹر ممتاز الحق — اُردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل

ولی کی غزل گوئی

ترتیب

۱۔ تعارف

۲۔ ولی کی غزل گوئی

۳۔ صنعت نگاری

۴۔ دو اشعار کی تشریح

۵۔ دو غزلیں بطورِ نمونہ

۶۔ تلخیص

۷۔ نمونۂ امتحانی سوالات

۸۔ امدادی کتب

تعارف

اس اکائی میں آپ دکن کے مشہور شاعر وَلی دکنی کی غزل گوئی کے بارے میں جانکاری حاصل کریں گے۔ انہوں نے دکن کی ادبی روایت کو شمال کی زبان اور فارسی روایت سے قریب تر کرکے اُردو شاعری میں نئی روح پھونک دی اور ہندوستان بھر میں شاعروں کی ایک بڑی تعداد نے ولی کے ان اقدام کو سراہا اور اسی انداز کو اپنایا۔ چنانچہ شمالی ہندوستان کے شعراء اُردو زبان کو اظہار خیال کے لیے ناکافی سمجھتے تھے لیکن جب ولی نے دلی کے سفر کے دوران اپنا کلام سنایا اور یہ ثابت کرکے دیا کہ اُردو زبان کسی بھی صورت میں کم مایہ نہیں ہے بلکہ اس زبان میں گہرائی اور گیرائی کے ساتھ اظہار کی وہ قوت موجود ہے کہ اس میں دیگر زبانوں کی طرح بہترین ادب تخلیق کیا جاسکتا ہے۔ ولی کے دلی میں آتے ہی شمالی ہندوستان میں شاعری کا مزاج اور انداز یکسر بدل گئے اور اُردو شاعری میں ایک نیا موڑ پیدا ہوگیا۔ ولی کے نغمے شمالی ہند کی فضاوں میں گونجنے لگے اور ان کے شعر زبان زدعام ہو گئے۔

۲۔ ولی کی غزل گوئی

ولی دکنی نے شاعری کے مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی لیکن ان کی شہرت اور مقبولیت کا راز ان کی غزل گوئی میں مضمر ہے۔ ان کی کلیات میں سب سے زیادہ تعداد غزلیات کا ہے۔ وَلی ایک بلند پایہ غزل گو شاعر تھے۔ اس بات کا اعتراف مشہور شاعر شاہ حاتم نے اس شعر میں کیا ہے ۔

حاتم یہ فنِ شعر میں کچھ تو بھی کم نہیں
لیکن وَلی ، ولی ہے جہاں میں سخن کے بیچ

وَلی کے ہاں روایت کے مطابق عشق اور عشق کے متعلق واردات کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن اس

کے علاوہ ان کے عہد کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، اخلاقی اور تہذیبی حالات سے متعلق بھی ان کی غزلیات میں بھرپور جانکاری ملتی ہے۔ ولؔی نے بدلتے حالات کے مطابق غزل سرائی کے انداز میں بھی تبدیلیاں لائیں۔ غم جانان کے ساتھ غم دوران کا ذکر کیا، فلسفہ حیات کو بیان کرتے وقت آلامِ روزگار اور فکرِ معاش کو بھی غزل کا موضوع بنایا۔ ولی کی غزلیات میں یہ رنگ کہیں گہرے اور کہیں مدھم نظر آتے ہیں۔ ان ہی خصوصیات کی بناء پر آبروؔ نے ولی کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں فرمایا ہے

آبرو شعر ہے تیرا اعجاز
پر ولی کا سخن قیامت ہے

ولؔی کی غزلیات میں عشق مجازی کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان کا ایمان ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے مجاز کو اختیار کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں حسن اور عشق کے موضوعات جگہ جگہ پڑھنے کو ملتے ہیں

تواضع ، خاکساری ہے ہماری سر فرازی ہے
حقیقت کے لغت کا ترجمہ عشق مجازی ہے

....

مشغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

چونکہ ولؔی بلا کی جمالیاتی حس رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عشق مجازی کا بیان بڑی فنکاری اور مہارت کے ساتھ کیا ہے۔ باقی شاعروں کے مقابلے میں ولؔی نے اپنے محبوب کے حسن ناز و ادا اور قد و قامت کی ستایش انتہائی خوبصورت انداز میں کی ہے۔ محبوب کے

حُسن و جمال کی لفظی عکاسی کی بناء پر ہی ولّی کو اُردو کا سب سے بڑا سراپا نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ درج ذیل اشعار بطورِ نمونہ پیش ہیں

قد ترا رشک سرو رعنا ہے
معنی نازکی سراپا ہے

....

تجھ بھواں کی میں کیا کروں تعریف
مطلعِ شوخ و رمز و ایماء ہے

....

چمنِ حسن میں نگہ کر دیکھ
زلفِ معشوق عشق پیچاں ہے

....

کیوں نہ مجھ کوں زندگی بخشے
بات تیری دمِ مسیحا ہے

....

سنبل اس کی نظر میں جا نہ کرے ہے
جس کوں تجھ گیسوؤں کا سودا ہے

....

اس کے پیچاں کا کچھ شمار نہیں
زلف ہے یا یہ موج دریا ہے